# عورت اور مزاحمت

## محنت کش عورتوں سے مکالمہ

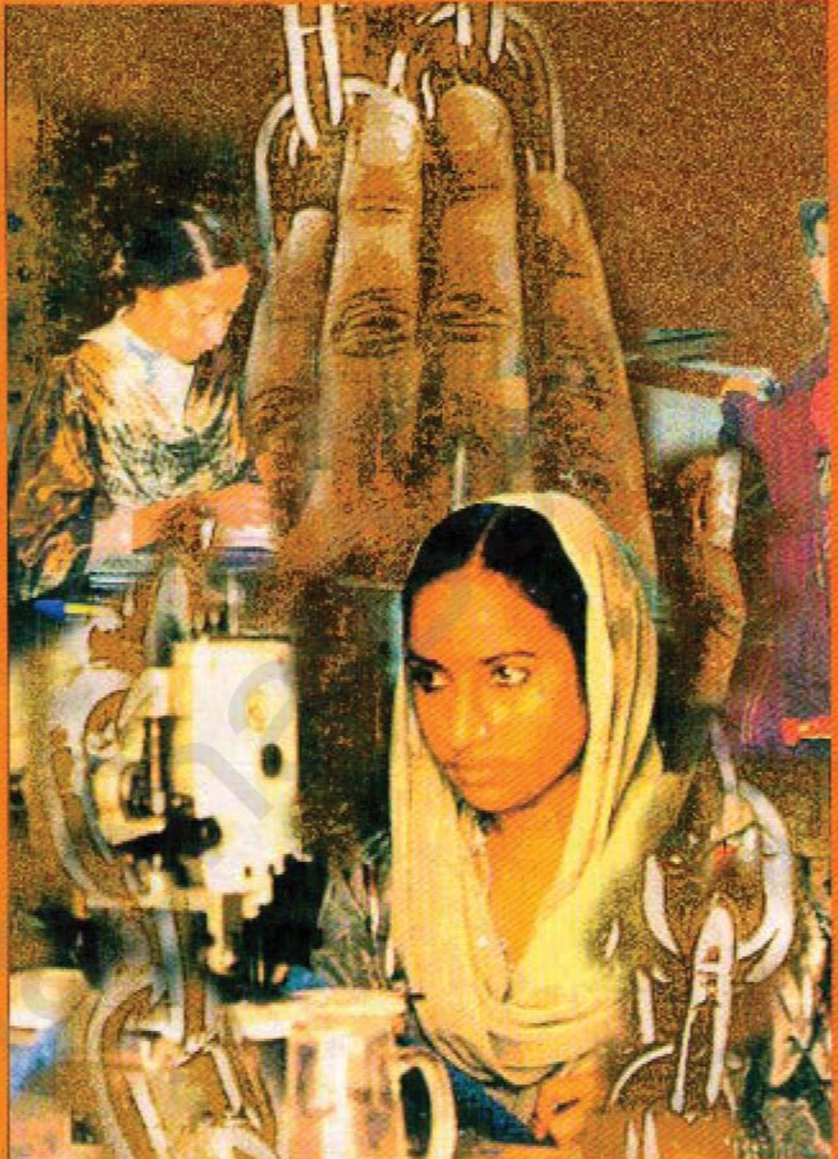

روبینہ سہگل

مشعل

# عورت اور مزاحمت

## محنت کشوں سے مکالمہ

روبینہ سہگل

مشعل
آر۔ بی 5 ' سیکنڈ فلور' عوامی کمپلیکس
عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور54600 ' پاکستان

MashalBooks.org

# عورت اور مزاحمت

روبینہ سہگل

کاپی رائٹ اردو (c) 1999 مشعل

ناشر: مشعل

آر-بی-5، سیکنڈ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،
لاہور-54600، پاکستان
فون وفیکس: 042-35866859
Email: mashbks@brain.net.pk

MashalBooks.org

# فہرست


| | |
|---|---|
| تعارف | 5 |
| مزاحمت کیا ہے؟ | 19 |
| عورت اور مزاحمت: ایک تاریخی پس منظر | 55 |
| مزاحمت اور مزدور خواتین | 117 |
| مزاحمت اور خواتین اساتذہ | 177 |
| مزاحمت اور گھریلو نوکرانیاں | 205 |
| نتائج اور اختتامیہ | 227 |
| حوالے | 241 |


MashalBooks.org

MashalBooks.org

# تعارف

''عورت اور مزاحمت'' کے موضوع پر میں نے 1993ء میں کام شروع کیا جب مزدوروں کی تعلیم کی تنظیم نے مجھے اس موضوع پر ورکشاپ کرنے کی غرض سے کراچی بلایا۔ خواتین مزدوروں نے اس ورکشاپ کے دوران میری آنکھیں کھول دیں۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ پاکستانی مزدور خواتین اپنے روزمرہ کے کام میں اتنی ہمت اور حوصلے سے کام لیتی ہیں۔ انہوں نے مجھے مزاحمت کے ایسے انداز بتائے کہ میں حیران رہ گئی۔ ان خواتین کا تعلق پیکنگ، دواؤں کی صنعت، بجلی کے پرزے بنانے کی صنعت اور ٹیلی فون کے محکمے سے تھا۔

ان کی باتیں سن کر مجھے پہلی دفعہ یہ احساس ہوا کہ حقیقی دنیا کی عورت اس تصور سے بہت دور ہے جو مشرقی عورت کے بارے میں ناولوں ، افسانوں ، کہانیوں ، ٹی وی ڈراموں اور فلموں میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس تصور کے مطابق عورت کمزور ہے ، بے بس ہے ، بیچاری ہے ، مظلوم ہے ، چپ چاپ دکھ اور عام تصور کے مطابق اگر کوئی عورت ایسی نہیں بلکہ اس تصور کے برعکس غصیلی ہے، اپنے حقوق کا مطالبہ کرتی ہے، زیادتی اور بے انصافی کے خلاف آواز اٹھاتی ہے ، تو وہ بدکردار اور بدچلن عورت کے طور پر پیش کی جاتی ہے ۔ رومانوی اور تصوراتی دنیا میں عورت کو بے کس ولاچار ، مجبور ، مظلوم اور بیچاری عورت کے طور پر پیش کرنے کی روایت زیادہ رہی ہے۔ ذرائع ابلاغ میں ایسی عورت کی تصویر کھینچی جاتی ہے جو رحم کی مستحق ہو اور ہمدردی کی طلبگار ہو۔

لیکن جن عورتوں سے میری گفتگو ہوئی ان میں سے ایک بھی اس عکس پر پوری طرح نہیں اترتی تھی۔ کراچی میں صنعتی کارکن خواتین سے بات چیت کرنے کے بعد مجھے

MashalBooks.org

احساس ہوا کہ یہ عورتیں ہرگز غیر متحرک نہیں اور نہ ہی بیچارگی اور مظلومیت کی تصویر ہیں ، وہ نہ صرف اپنے حقوق سے واقف ہیں بلکہ انہوں نے انوکھے اور دلچسپ انداز سے اپنے حقوق منوائے ہیں اور مزاحمت کا مظاہرہ بھی کیا۔ یہ مزاحمت انفرادی بھی تھی اور اجتماعی بھی ، جب بھی انتظامیہ نے کارکنوں کو دبانے اور کنٹرول کرنے کا کوئی نیا اورا نوکھا طریقہ اپنایا ، خواتین مزدوروں کی مزاحمت نے بھی اس نئے انداز کا مقابلہ نت نئے اور تخلیقی طریقوں سے کیا ، ان طریقوں کی تفصیل اور صنعتی انتظامیہ کے ہتھکنڈوں کا ذکر تیسرے باب میں آئے گا جس میں صنعتی کارکنوں کی مزاحمت کا ذکر کیا گیا ہے۔

میں خواتین کارکنوں کی مزاحمت سے اس قدر متاثر ہوئی کہ میں نے ان کے بارے میں اخباروں میں مقالے لکھے تا کہ ان کی ہمت ، بہادری ، حوصلے اور خندہ پیشانی کا اعتراف کیا جائے اور انہیں ان کی جرات مندی پر داد ملے۔ بعد ازاں جب بھی میں پائلر (Piler) کے بلانے پر خواتین مزدوروں کے ساتھ ورکشاپ کرتی تو مجھے نئے نئے واقعات اور بہت سے نئے مزاحمتی طریقوں کے بارے میں پتہ چلتا۔ اس عمل سے مجھے عورتوں کی مزاحمتی تحریکوں میں دلچسپی پیدا ہوئی اور میں نے تاریخی طور پر عورتوں کی مزاحمتی تحریکوں ، بغاوتوں اور سرکشی کے بارے میں پڑھنا شروع کر دیا۔ اسی سلسلے میں چپکو تحریک ، سندھیانی تحریک ، سیاسی تحریکوں اور تعلیم کے حق کی تحریکوں کے بارے میں پڑھا۔ ان تحریکوں کا مختصر ذکر اس کتاب کے دوسرے باب میں ہے۔

جب عورتوں کے اجتماعی اور انفرادی مزاحمتی کاموں کے بارے میں غور کیا تو احساس ہوا کہ عورت ایک انتہائی مضبوط ہستی ہے جو ظلم ، تشدد ، نا انصافی اور بربریت کے باوجود مستقل مزاجی سے حالات کا مقابلہ کرتی ہے اور ایک غیر متحرک اور بیچاری ہستی نہیں ہے۔ عورت نے ہمیشہ ظلم کے خلاف آواز اٹھائی ہمیشہ ناانصافی کا مقابلہ کیا ہے۔ تاریخ میں اس کی لاتعداد مثالیں موجود ہیں۔ مجھے احساس ہوا کہ اگر عورتوں کی مزاحمت کی مثالوں کو قلمبند نہ کیا گیا تو یہ ہمیشہ کے لئے فراموش ہو جائیں گی۔ تاریخ میں ان کا ذکر تک نہیں آئے گا اور ان کے بے مثال کارنامے تاریخ کے اوراق میں محفوظ نہیں ہوسکیں گے۔ ہمارے ہاں ویسے بھی تاریخ صرف سیاسی نقطۂ نظر سے لکھی جاتی ہے اور مشہور بادشاہوں اور سیاست دانوں کے گن گائے جاتے ہیں۔ عام لوگوں کی تاریخ لکھنے کا رواج تو صرف جمہوری سوچ

آنے کے بعد ہوا ہے۔ مزید یہ کہ تاریخ زیادہ تر مردوں نے قلمبند کی جس کی وجہ سے عورتوں کی زندگیوں کا ذکر اس میں کم ہی ملتا ہے۔ تاریخ مردوں کے نقطہٗ نگاہ سے لکھی گئی اور اس میں جنگوں، سازشوں اور حکمرانوں اور امراء کے سوا کچھ اور نہیں ملتا۔

لیکن جب سے جمہوریت آئی اور عام لوگوں کی زندگی کی تاریخ لکھنے کا رواج ہوا تو یورپی ممالک میں کسانوں، مزدوروں اور عام لوگوں کے طرز زندگی کے بارے میں لکھا جانے لگا۔ خاص طور پر فرانس میں اینلز (Annals) سکول کے مفکرین سماجی، تہذیبی اور ثقافتی تاریخ لکھنے کے حق میں ہیں۔ ہندوستان میں سب آلٹرن ( Sub. Altern) سوچ کے مورخ کسانوں اور پسے ہوئے لوگوں کی تاریخ لکھتے ہیں لیکن پاکستان میں عام طور پر اب بھی تاریخ دان صرف حکمرانوں کے کارناموں کا ریکارڈ رکھتے ہیں اور عورتوں کو تو تاریخ کے عمل سے باہر سمجھا جاتا ہے۔ یہ تاثر پیدا کیا جاتا ہے کہ عورت کا تاریخ میں کوئی کردار نہیں اور ان کے کوئی کارنامے نہیں ہیں۔ صرف مبارک علی نے اپنی کتاب ''تاریخ اور عورت،، میں ذکر کیا ہے کہ زراعت عورت کی ایجاد ہے اور عورت کا تاریخ میں بہت اہم کردار ہے۔

مجھے اس بات پر بہت تشویش تھی کہ اگر ہماری بہادر اور دلیر مزدور خواتین کی روز مرہ کی جدوجہد کے بارے میں نہ لکھا گیا تو ان کی یہ جدوجہد گم ہو کر رہ جائے گی لیکن میں تاریخ دان نہیں اور نہ ہی تاریخ لکھنے کے طریقوں سے واقف ہوں۔ اگر مزدور خواتین کے واقعات اور جدوجہد کا ریکارڈ ایک کتاب کی شکل میں محفوظ کر لیا جائے تو شاید کسی دن کوئی تاریخ دان اس ریکارڈ کو استعمال کر کے عورتوں کی کاوشوں اور جدوجہد کو خراج تحسین پیش کرے۔ تب مجھے خیال آیا کہ مزدور خواتین کے ساتھ ورکشاپوں کے دوران اپنے تجربات کو قلمبند کیا جائے اور انہیں تحریری شکل میں محفوظ کر لیا جائے تا کہ ان کی تاریخ مٹ نہ جائے۔

یہ کتاب ان تجربات کا نتیجہ ہے اور انہیں میں سے نکلی ہے۔ اس کتاب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ عورت کی مظلومیت اور بیچارگی کی افسانویت کو توڑا جائے اور ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کہ ظلم اور تشدد تو ہوتا ہے، لیکن عورت اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے اور جواب دیتی ہے۔ وہ چپ چاپ، خاموشی سے ظلم سہنے والی کٹھ پتلی نہیں ہے بلکہ روز مرہ کی زندگی میں ہر دم حالات سے لڑتی ہے۔ صرف اس کی مزاحمت کا انداز اور طریقہ مختلف ہو سکتا ہے اور اس کی جدوجہد کی شاید وہ شکل وصورت نہ ہو جو علمی طور پر مزاحمت یا تحریک کہلاتی ہے۔ اس

بات پر بھی روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے کہ عورت کی مزاحمت کا انداز کیوں مختلف ہوتا ہے اور اسکے عوامل اور پیچیدگیاں کیوں ان عوامل سے مختلف ہوتے ہیں جو تاریخ دانوں کی نظر میں تحریک، جدو جہد اور مزاحمت سے منسوب ہوتے ہیں۔

عورت کی مزاحمت کو سمجھنے کی غرض سے دیگر معاشرتی عوامل کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ ظاہر ہے عورت معاشرے کا حصہ ہے، علیحدہ مخلوق نہیں۔ عورت کی مزاحمت پر غور وفکر سے میں اس نتیجے پر پہنچی کہ اس مزاحمت کی تہہ تک جانے کے لئے معاشرے کے بنیادی معاشی اور تہذیبی اقدار کے نظام کو سمجھنا بہت اہم ہے۔ معاشرے کا تجزیہ کئے بغیر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ عورت کو مزاحمت کیوں اور کس کے خلاف کرنا پڑتی ہے؟ اس ضمن میں عورت پر تشدد کے عوامل کو سمجھنا بھی ضروری ہوگیا کیونکہ عام طور پر عورت کی مزاحمت تشدد کے خلاف ہی ظاہر ہوتی ہے لیکن تشدد بھی ضروری نہیں کوئی انفرادی عمل ہو بلکہ تشدد معاشرتی ڈھانچوں میں چھپا ہوتا ہے، مثال کے طور پر سرمایہ داری نظام میں، جاگیرداری ڈھانچوں میں اور آزاد منڈی کی عالمی معیشت میں اس قدر تشدد موجود ہے کہ اس کو سمجھے بغیر عورت کی مزاحمت کو نہیں سمجھا جاسکتا۔ جدید دور میں عورت پر انفرادی تشدد کا بھی معاشی، سیاسی اور سماجی ڈھانچوں سے گہرا تعلق ہے۔ عورت کی مزاحمت نہ صرف انفرادی سطح پر نمودار ہوتی ہے بلکہ سیاسی، معاشی اور سماجی نظام اور ڈھانچوں کے خلاف بھی ظاہر ہوتی ہے۔ تشدد میں طبقاتی کشمکش اور اس کے عوامل کا بھی بہت بڑا کردار ہے۔

میں نے عورتوں پر تشدد کے موضوع پر جتنے بھی مواد کا مطالعہ کیا مجھے مرد موردالزام نظر آئے۔ اکثر کتابوں اور مقالوں سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ عورتوں پر مرد تشدد کرتے ہیں۔ مجھے بہت کم ایسا مواد ملا جس میں سیاسی اور معاشی ڈھانچوں اور ترقی کے عوامل کو تشدد کی بنیادی وجہ قرار دیا گیا ہو۔ بہت کم ایسا مواد ملتا ہے جو تشدد کے تجزیے میں جاگیرداری، سرمایہ داری، عسکریت، فرقہ واریت یا علاقائی عوامل کو شامل کرتا ہے۔

عام طور پر تشدد کو مردوں کا انفرادی اور ذاتی فعل قرار دیا جاتا ہے لہٰذا اس بات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ عالمی معاشی نظام، جاگیرداری، فرقہ واریت، لسانی فسادات، طبقاتی ہمواری اور دیگر معاشرتی عوامل مردوں پر بھی بھرپور تشدد کرتے ہیں اور غریب، پسماندہ اور بے بس طبقوں کے مرد حضرات بھی دیوہیکل سماجی ڈھانچوں کے ہاتھوں شدید

تشدید کا نشانہ بنتے ہیں۔ تشدد کا انفرادی فعل بھی اجتماعی عوامل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ تشدد اچھے اور برے مردوں کے کردار کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسے سماجی نظام کا نتیجہ ہوتا ہے جس کی لپیٹ میں تمام پسے ہوئے اور دبے ہوئے طبقے آتے ہیں خواہ وہ مرد ہوں ، عورتیں ہوں بچے ہوں۔ چنانچہ عورتوں کی مزاحمت صرف کسی انفرادی مرد کے خلاف نہیں ہوتی، وہ ایک پورے نظریاتی، ثقافتی ، تہذیبی ، معاشی اور سیاسی نظام کے خلاف ہوتی ہے جس کا شکار مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی ۔ لہٰذا اس نظام کا جدید دور میں تجزیہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی جو عورتوں اور مردوں میں اس قدر کشیدگی پیدا کرتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے مددگار بننے کے بجائے ایک دوسرے کے حریف اور دشمن بن جاتے ہیں۔

عورتوں پر تشدد کے خلاف عورتوں کی غیر سرکاری تنظیموں کا لٹریچر بھی عورت کو مظلومیت کی تصویر بنا دیتا ہے۔ اس میں بھی عورت ایک بے بس اور بے کس ہستی کے طور پر ابھرتی ہے جس پر ترس آتا ہے ، رحم آتا ہے اور اس سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ عورتوں کے حقوق کی علمبردار خواتین نے بھی عورت کی مضبوطی ، اس کی خندہ پیشانی اور اس کی مستقل مزاجی کو نظر انداز کر کے صرف اس پر ظلم و تشدد کی داستانیں سنائی ہیں۔ بے شک عورتوں پر ظلم ہوتا ہے، تشدد ہوتا ہے اور یہ سچ ہے کہ عورتوں کو طرح طرح سے موت کے گھاٹ اتارا جاتا ہے مثال کے طور پر چولہا پھٹنے سے وہ جھلس جاتی ہیں۔ غیرت کے نام پر قتل و غارت ہوتی ہے ، گھروں میں ان پر تیل چھڑک کر انہیں نذر آتش کر دیا جاتا ہے۔ لیکن کہیں بھی یہ ذکر نہیں ملتا کہ کیا عورت نے مزاحمت کی ؟ کیا وہ بے انصافی کے خلاف بولی؟ کیا اس نے جان بچانے کی کوشش کی ؟ کیا وہ ظالم سے لڑی؟ یہی تاثر ملتا ہے کہ اس پر ظلم ہوا ، تشدد ہوا اور پھر وہ مر گئی ۔ یقین نہیں آتا کہ کوئی انسان خاموشی سے ظلم سہ لے گا اور اس کے خلاف مزاحمت نہیں کرے گا ۔ عورتوں کے حقوق کی تنظیموں نے کوئی تفصیلی مطالعہ نہیں کیا کہ عورت کس کس طرح مقابلہ کرتی ہے۔

عورت کی مزاحمت پر خاموشی کی بہت سی وجوہات ہوسکتی ہیں ۔ مقابلہ کرنے والی عورت کو برا سمجھا جاتا ہے، جواب دینے والی عورت کو زبان دراز کہا جاتا ہے ، تھپڑ کا جواب تھپڑ سے دینے والی عورت کو بدکار کہا جاتا ہے، ظلم کا مقابلہ کرنے والی عورت کو لڑاکا کہا جاتا ہے، عورت کے عمومی تصور میں لڑائی ، بغاوت ، سرکشی ، مقابلہ ، مزاحمت یہ تمام صفات شامل

نہیں ہیں۔ یہ صرف بری عورت کی خصوصیات سمجھی جاتی ہیں۔ ''اچھی'' یا ''نیک'' عورت جواب نہیں دیتی، لڑتی نہیں، چپ رہتی ہے، خاموشی سے ظلم برداشت کرتی ہے، اونچی آواز سے نہیں بولتی، جسمانی تشدد نہیں کرتی، گالیاں نہیں دیتی۔ یہ تصور اس قدر حاوی اور غالب ہے اور اس کا اتنا پرچار کیا جاتا ہے کہ کئی عورتیں جو زندگی میں روز مزاحمت کرتی ہیں، شاید اس کے تذکرے سے گریز کرتی ہیں۔ حاوی نظریات اور اقدار کے مطابق جینے کا دباؤ اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ عورتیں اس بات کو قبول نہیں کرتیں کہ انہوں نے مزاحمت کی۔ معاشرے کے لعن طعن اور سزا سے بچنے کے لیے وہ اپنی مزاحمت کو چھپا لیتی ہیں۔ گھر والے یا محلے کے لوگ منع کر دیتے ہیں کہ فعل برا ہے، غلط ہے چنانچہ اس کا ذکر نہ کیا جائے۔ اس طرح عورتوں کے روز مرہ کے چھوٹے چھوٹے کارنامے روپوش ہو جاتے ہیں اور چھپا دیے جاتے ہیں۔ ان کا ذکر بھی گناہ معلوم ہوتا ہے اور معاشرتی قدریں اور رسم و رواج اور مذہب کا سہارا لے کر عورتوں کے حاوی نظریے کو تقویت دی جاتی ہے کہ یہ ایک غیر متحرک، دبی ہوئی، محکوم اور بے بس ہستی ہے جو پیار تو کرنا جانتی ہے وار نہیں، محبت کرتی ہے مزاحمت نہیں، قربانی دیتی ہے، حق کے لئے نہیں بوتی، ہمدردی کرتی ہے، مخالفت نہیں، رحمدل ہے مضبوط نہیں، ہمدرد ہے باغی نہیں۔ درحقیقت عورت باغی بھی ہوتی ہے، سرکش بھی، مخالفت بھی کرتی ہے اور مزاحمت بھی، سوال بھی اٹھاتی ہے اور حقوق کے لئے آواز بھی۔ لیکن یہ سب کچھ چھپا دیا جاتا ہے کیونکہ یہ ایک مشرقی معاشرے کی مشرقی عورت کو زیب نہیں دیتا۔ ہم اپنے معاشرے اور اپنی شناخت اور پہچان کے تصور سے ایسی عورت کو خارج کر دیتے ہیں جو ہمارے شعوری اور لاشعوری من پسند تصور کو جھٹلاتی ہے اور جس کی ہستی ہماری حاوی خواہشات کی عکاسی نہیں کرتی۔ ہم اس کا وجود اپنے ذہن، اپنی یادداشت اور اپنی تاریخ کے اوراق سے مٹا دیتے ہیں اور صرف ان پہلوؤں کو یاد رکھتے ہیں جو ہمارے تصور سے مطابقت رکھتے ہیں۔

عورتوں کی مزاحمت کے چھپ جانے یا اس حد تک پس پردہ ہو جانے کی کہ خود عورتیں اسے پہچان نہ سکیں، ایک اور اہم وجہ ہے۔ عام طور پر فرض کر لیا جاتا ہے کہ مزاحمت، جدوجہد، بغاوت صرف وہ ہوتی ہے جو کھلے عام، واضح اور اجتماعی صورت میں ظاہر ہو، مثال کے طور پر کوئی بہت بڑی تحریک ہو، اس میں متعدد افراد شامل ہوں اور کی

صورت صاف نظر آئے ۔ مزاحمت کا مردانہ نقطۂ نظر یہی ہے۔ روز مرہ کی چھوٹی چھوٹی بغاوتوں اور جنگوں اور جدوجہد کو مزاحمت ،تحریک یا جدوجہد کا نام نہیں دیا جاتا۔ اس کی وجہ تاریخ لکھنے کا وہ انداز ہے جو صرف بڑے بڑے واقعات کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اس کے علاوہ مزاحمت اور جدوجہد صرف ان اعمال کو کہا جاتا ہے جو باہر کی دنیا میں یعنی کام کی دنیا میں یا عوامی زندگی میں سامنے آئیں۔ ان واقعات کو جدوجہد یا مزاحمت نہیں کہا جاتا جو گھر کے اندر ، خاندان میں رونما ہوتے ہیں۔ اس لیے تاثر یہ ملتا ہے کہ عورت مزاحمت نہیں کرتی کیونکہ وہ گھر کے اندر ہوتی ہے جہاں وہ سورج کے طلوع ہونے سے اس کے غروب ہونے تک دوسروں کا کہنا مانتی ہے ، تابعداری کرتی ہے ، فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کرتی ہے۔ یہ سوچ لیا جاتا ہے کہ مزاحمتی تحریکوں سے اس کا کیا تعلق؟ وہ تو مردوں کے کام ہیں جو بہادر ہوتے ہیں اور باہر کی دنیا میں مشکلات کا سامنا کرتے ہیں اور جدوجہد مصائب سے دوچار ہوکر روزی کماتے ہیں ۔ درحقیقت گھر کے اندر رہنے والی خواتین بھی ہر دم مزاحمت کا مظاہرہ کرتی ہیں ،صرف انکے اس عمل کا انداز شاید اتنا واضع پرتشدد اور اجتماعی نہیں ہوتا ۔

عورتوں کی تشدد سے پاک مزاحمت کے بارے میں کچھ مفکرین پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات اکثر کہی جا ہے کہ گاندھی کی ستیہ گرہ تحریک میں بہت سی عورتوں نے اس لئے حصہ لیا کہ مزاحمت کا یہ انداز تشدد سے خالی تھا اور پُر امن تھا۔ عورتوں کو عام طور پر امن کی تحریکوں سے منسوب کیا جاتا ہے کچھ مفکرین کی رائے ہے کہ گاندھی کی عدم تشدد طرز کی مزاحمت کی جانب بہت سے خواتین اس لئے گامزن ہوئیں کیونکہ عورتوں کی ذاتی گھریلو زندگی میں اس قسم کی پرامن مزاحمت کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے اور عورتوں کو اس نوعیت کی مزاحمت کی عادت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اس پر بحث کرتے ہوئے ہندوستان کی مفکر کیتو کاتکرک لکھتی ہیں کہ:۔

''------گاندھی نے ہندوستان کے مردوں اور عورتوں کو غیر متحرک مزاحمت کرنے کی ترغیب دی۔ اس طرح نو آبادیاتی نظام کے خلاف جو مردانہ طرز مزاحمت تھا وہ نسوانی ہوگیا۔عورتوں سے بہتر اس قسم کی مزاحمت کا نمونہ اور کون پیش کرسکتا تھا کیونکہ عورتوں کو بہت متحمل انداز میں پدرسری طاقت کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے''۔

کیتو کاتکرک کے اس تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی مزاحمت کا انداز

براہ راست قسم کا نہیں ہوتا اور واضع نہیں ہوتا کیونکہ صاف تشدد نہیں ہوتا۔ عورتیں بالواسطہ طور پر مزاحمت کرتی ہیں اور تشدد کا استعمال کم کرتی ہیں۔ شاید اسی لئے مورخوں نے ان کی بغاوت کے انداز نہیں پہچانے' ان کی جدوجہد کو نظر انداز کر دیا اور یہ تاثر پیدا کیا کہ معاشرتی تبدیلی میں عورت کا کوئی کردار نہیں ہے۔

کیتو کا تکرک کا کہنا ہے کہ گاندھی کا عدم تشدد کا فلسفہ اپنی والدہ اور بیوی کی غیر متحرک مزاحمت کی بنیاد پر تشکیل ہوا۔ وہ لکھتی ہیں کہ گاندھی کا خیال تھا کہ عورتوں میں ایک دلچسپ دوہراپن ہوتا ہے۔ وہ فرمانبردار بھی ہوتی ہیں اور اتھارٹی کے خلاف بغاوت بھی کرتی ہیں۔ زیادہ تر ان کی بغاوت گھر کے اندر ظاہر ہوتی ہے کیونکہ ان پر ظلم اکثر گھروں کے اندر ہی ہوتا ہے لیکن گاندھی نے ان کے اس دوہرے پن کو نو آبادیاتی ریاست کے خلاف استعمال کیا اور عورت کے بلاتشدد مزاحمتی انداز کو عورت کی مضبوطی گردانا۔ گاندھی کا یہ حربہ عورتوں کو قومی آزادی تحریک میں شامل کرنے کی غرض سے بہت کارآمد ثابت ہوا اور لاتعداد عورتوں نے گاندھی کی سیاست کی حمایت کی اور اس میں حصہ لیا۔

سری لنکا کی مشہور کماری جے وردنا لکھتی ہیں کہ:

''یہ کہا گیا کہ چونکہ عورتوں کو اپنی روز مرہ کی زندگی میں غیر متحرک نوعیت کی مزاحمت کی عادت ہوتی ہے' اس لیے وہ منظم قسم کی غیر متحرک' مزاحمت اور عدم تعاون کی تحریک کے لیے زیادہ موثر طریقے سے کام کرسکتی ہیں۔''

چنانچہ عورتوں کی اس غیر متحرک، بلا واسطہ مزاحمت کو قومی آزادی کی تحریک میں بروئے کار لایا گیا۔ اگرچہ یہ بہت حد تک صحیح ہے کہ عورتوں کا مزاحمتی انداز مردوں سے مختلف ہوتا ہے اور ان کی بغاوت کی نوعیت علیحدہ ہوتی ہے لیکن اس کی تاریخی وجوہات ہیں کیونکہ عورتوں کو شروع ہی سے براہ راست تشدد اور بلاواسطہ بغاوت سے روکا گیا اور اب بھی چھوٹی بچیوں کو اکثر یہی بتایا جاتا ہے کہ بولو مت ،لڑو نہیں، لڑکیاں جھگڑا نہیں کرتیں۔ لڑکیوں کو برداشت کرنا چاہئے، چپ رہو وغیرہ۔ بچپن سے عورت کی تربیت ایسی ہوتی ہے کہ اسے غیر متحرک بنایا جائے اور اس کے مزاحمتی جذبات کو کچل دیا جائے۔ لہٰذا اگر عورتوں کا مزاحمت کرنے کا انداز اتنا واضح یا پرتشدد نہیں ہوتا تو اس کی معاشرتی اور تاریخی وجوہات ہیں، حیاتیاتی یا فطری نہیں۔

MashalBooks.org

تاہم یہ کہنا تاریخی طور پر سچ نہیں کہ عورتوں نے کبھی براہ راست مزاحمت نہیں کی اور مزاحمت میں تشدد کا استعمال بالکل نہیں کیا جیسا کہ اس کتاب کے دوسرے باب سے ظاہر ہوگا، عورتوں نے بوقت ضرورت ہتھیار بھی اٹھائے۔ جنگیں بھی لڑیں اور مزاحمت کے دوران تشدد کا استعمال کیا عورت نے دونوں طرح کی مزاحمت کا مظاہرہ کیا ہے، وہ جس میں تشدد یا جنگ کا استعمال ہوا اور وہ جس کا اندز بہت مختلف، چھپا ہوا اور غیر متحرک تھا۔ عورتوں نے اپنے حقوق کی جنگ میں نت نئے قسم کے مزاحمتی طریقے بھی ایجاد کئے اور کئی دفعہ صورت حال کے عین مطابق ایسا طریقہ ایجاد کیا جو اس صورت کے لیے بہترین تھا۔ اس طرح عورت کی تخلیقی صلاحیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے چنانچہ عورت کی مزاحمت تحریری شکل اختیار نہ کرنے کے باعث چھپ ضرور گئی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورتوں نے تاریخ میں اور معاشرتی تبدیلی میں کوئی کردار ادا نہیں کیا۔ مبارک علی اپنی کتاب '' تاریخ اور عورت'' کے پہلے باب میں ہی بتاتے ہیں کہ عورتوں کو تحریری تاریخ سے اس لیے خارج کر دیا گیا کہ تاریخ مردوں نے تحریر کی اور عورتوں کا انداز زبانی تھا اور عورتیں تاریخ اور داستانوں کو لوری میں' کہانی میں اور زبانی روایت کے ذریعے زندہ رکھتی ہیں۔

جب یہ کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا تو میرے سامنے چند مفروضے تھے جنہیں توڑنا میرے لیے اہم تھا۔ یہ مفروضے اس قدر عام ہیں کہ ہر شخص انہیں بغیر سوچے قبول کر لیتا ہے اور ان پر تنقید نہیں ہوتی چنانچہ اس کتاب کے بنیادی مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:۔

1- اس عام سوچ کو غلط ثابت کیا جائے کہ عورت محض ایک مظلوم اور بے چاری ہستی ہے جو قابل رحم ہے اور جس کو ہمدردی کی ضرورت ہے

2- اس حقیقت کو اجاگر کیا جائے کہ عورت بے حد مضبوط' مستقل مزاج' نڈر' بہادر اور دلیر ہستی ہے جس نے نہ صرف ذاتی زندگی میں بلکہ گھر سے باہر کی زندگی میں بھی جرات اور دلیری کے کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔

3- تشدد کا تجزیہ سیاسی' سماجی اور معاشی ڈھانچوں اور اقتصادی نظام کے مدنظر رکھ کر کیا جائے تا کہ تشدد محض برے افراد کا ذاتی تعلق نہ معلوم ہو بلکہ ایک استحصالی نظام کا نتیجہ نظر آئے۔ ایسے نظام کا جس میں مرد اور عورت دونوں ہی جکڑے ہوئے ہیں اور تمام مظلوم ومحکوم طبقے پھنسے ہوئے ہیں۔ تشدد کے انفرادی تجزیے

سے ہٹ کر اس کے پیچھے چھپے اجتماعی عوامل کو دیکھا جائے۔

4- جدید دور میں مرد اور عورت کے درمیان کشیدگی اور تشدد کی وجوہات کا تجزیہ کیا جائے۔ یہ تجزیہ موجودہ دور کی سماجی' سیاسی اور ثقافتی تبدیلیوں کو سامنے رکھ کر کیا جائے۔

5- معاشرے پر تشدد کے اثرات کا تجزیہ کیا جائے کہ اس سے فائدہ کس کو ہوتا ہے اور نقصان کون اٹھاتا ہے؟

6- گھر میں نجی ظلم و تشدد اور گھر سے باہر معاشرتی ناہمواریوں سے آئے ہوئے تشدد کے خلاف ہر قسم کی مزاحمت کا جائزہ لیا جائے۔ چاہے وہ متحرک انداز کی مزاحمت ہو یا گیر متحرک ہو' اجتماعی ہو یا انفرادی۔ اس کی تاریخی مثالیں دی جائیں۔

7- مختلف صنعتوں اور خدماتی شعبوں سے تعلق رکھنے والی خواتین کے انٹرویو لیے جائیں تاکہ معلوم ہو کہ وہ نجی زندگی اور کام کی زندگی میں پدرسری کے خلاف کس طرح مزاحمت کرتی ہیں اور اس مزاحمت کے مخصوص انداز کیا ہیں۔ مزید سیاسی اور معاشی ڈھانچوں کے خلاف مزاحمت کا کیا انداز ہے۔

8- عورتوں اور مردوں میں باہمی تشدد کم کرنے اور معاشرتی تبدیلی لانے اور ظلم و ناانصافی کی اصل جڑ کے خلاف مزاحمت کے بارے میں کچھ خیالات ظاہر کئے جائیں۔

9- عورتوں اور مردوں کے بدلتے ہوئے سماجی کرداروں کے معاشرتی اثرات کا جائزہ لیا جائے اور اس تبدیلی کے اثرات پر روشنی ڈالی جائے۔

10- تشدد اور ذاتی شناخت کے باہمی تعلق کو سمجھا جائے تاکہ مزاحمت اور شناخت کا رشتہ سمجھ میں آسکے۔

ان مقاصد کو پورا کرنے کی غرض سے مختلف شعبوں میں کام کرنے والی خواتین کے انٹرویو کئے گئے۔ ان میں صنعتی کارکن' غیر سرکاری تنظیموں کے کارکن' غیر رسمی اور نجی و سرکاری سکولوں کی اساتذہ اور گھریلو ملازمین شامل ہیں۔ چند خواتین خدمات کے دیگر شعبوں سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً واپڈا' ٹیلی فون کا محکمہ وغیرہ۔